فہمیدہ شیخ :

خواجہ حسن نظامی کا "سفرنامہ ہندوستان ۱۹۰۷ء"

ادیب شہیر خواجہ حسن نظامی (۱۸۷۸ء - ۱۹۵۵ء) کو سفر کرنے اور اخبار نکالنے کا شوق لڑکپن ہی سے تھا۔ نوجوانی میں ہی انہوں نے ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے مقامات دیکھ لیے تھے۔ یہ سفر انہوں نے پیرزادے کی حیثیت سے، باپ اور بھائی کے ساتھ کیے تھے۔ دو سفر پنجاب کے، خرد سالی میں کیے، لیکن تیسرا سفر، حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان چشتی قادری پھلواری کی ہمراہی میں بہاولپور کا کیا۔ امرتسر کے زمانۂ قیام میں، قادیان کا سفر بھی کیا ۔۱

خواجہ صاحب روزنامچہ لکھا کرتے تھے اس لیے زیادہ تر اپنے سفرناموں کی روداد بھی ڈائری کے انداز میں لکھی ہے، لکھتے ہیں:

"۱۹۰۵ سے ۱۹۰۶ کے درمیان خاکسار صاحب کے شوق دلانے سے ہندوؤں کی تیرتھ یاترا کے لئے، دھلی سے چل کر متھرا اور ہندراہن میں ان کا قیام رہا، عرصے تک وہاں کے مقیم فقراؑ کی خدمت میں حاضری دی۔ اس سفر میں ان کی زاد راہ ایک کمبل، ایک جھولی اور ایک رنگین لمبا کرتا تھا" ۔۲

---

۱ - خواجہ حسن نظامی: "آپ بیتی، بار دوم، دھلی، حلقۂ مشائخ بک ڈپو، ۱۹۲۲ء ص ۶۷ -

۲ - ملا واحدی: "سوانح عمری، حضرت خواجہ حسن نظامی"، کراچی، گلڈ انجمن کتاب گھر، ۱۹۵۷ء ص ۶۶ -

"متھرا سے اجودھیا، گیا، بدھ گیا، ہردوار، رکھی کیش (رشی کیش) وغیرہ مقامات کی سیر کی۔ یہاں کے مشہور مندروں کو دیکھا اور بعض فقرا سے ملاقاتیں کیں" ۔۱

خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اس طولانی سفر کے حالات (میں نے) بعض رسائل میں متفرق طور سے کبھی کبھی شائع کرائے۔ مگر وہ اتنے زیادہ اور عجیب تھے کہ ایک مستقل رسالہ 'تیرتھ یاترا' کے نام سے لکھا۔ یہ رسالہ چھپ جاتا تو اس زندگی اور سیر کا بڑا موثر نظارہ دکھاتا۔ لیکن ۱۹۰۸ء کی شدید مخالفتوں نے اس کے شائع کرنے سے باز رکھا، کیونکہ اس سفر کو خاندانی مخالفین نے عداوت نکالنے اور عوام کو بھڑکانے اور بدگمان کرنے کا حیلہ قرار دیا۔ کافر، ہندو اور بت پرست کے خطابات اسی سیاحت نے دلوائے تھے" ۔۲

۱۹۰۷ء میں خواجہ صاحب نے بمبئی کا سفر کیا، جہاں ان کا قیام مسلسل چار ماہ تک رہا۔ یہ سفرنامہ، "روزنامچۂ ہندوستان" کے نام سے ۱۹۱۲ء میں شایع ہوا۔ اس دوران گجرات اور کاٹھیاواڑ کے علاقے بھی انھوں نے دیکھے۔

۱۹۱۱ء میں خواجہ صاحب نے "مصر و شام و حجاز" کا سفر کیا۔ مقدس مقامات کی زیارت کی اور وہاں کے علماء و مشایخ سے ملاقاتیں کیں۔ اس کے علاوہ ان سے مل کر تبادلۂ خیال بھی کیا۔ خواجہ صاحب نے یہ سفر ۲۰ مئی ۱۹۱۱ء کو شروع کیا اور تقریباً تین ماہ بعد ان کی واپسی ہوئی۔ دوران سفر وہ اپنا روزنامچہ

---

۱ - خواجہ حسن نظامی: "آپ بیتی" بار دوم، دھلی، حلقۂ مشائخ بک ڈپو، ۱۹۲۲ء ص ۶۷ -

۲- ایضاً، ص ۶۸ -

تیار کرتے رہے۔ (سوانح خواجہ حسن نظامی، ص ۸۴ تا ۱۱۴)
بقول ملا واحدی:

"خواجہ صاحب خیریت نامے کے ساتھ مجھے تاریخ وار حالات سفر بھیجتے تھے۔ میں وہ حالات نظام المشائخ میں شائع کرتا تھا۔ پورا سفرنامہ نظام المشائخ میں شایع ہوا اور پھر کتابی صورت میں چھپا"۔۱

اس کے علاوہ خواجہ صاحب نے کشمیر، برما، اور قیام پاکستان کے بعد، پاکستان کا سفر بھی کیاجس کا ذکر ان کے روزنامچوں میں ملتا ہے۔۲

(۲)

سفرنامۂ ہندوستان ۱۹۰۷ء:

ہمارے مقالے کا خاص موضوع "سفرنامۂ ہندوستان ۱۹۰۷ء" ہے اس لیے اب ہم اس سفرنامے کا جائزہ لیں گے۔ یہ اس لیے بھی

۱۔ ملا واحدی: "سوانح عمری، خواجہ حسن نظامی" کراچی، گلڈ انجمن کتاب گھر، ۱۹۵۷ء، ص ۸۵۔

۲۔ دیکھیے، خواجہ حسن نظامی کے روزنامچے۔
روزنامچہ ۲ جنوری ۱۹۲۶ء، روزنامچہ ۳ جنوری ۱۹۲۶ء، روزنامچہ یکم ستمبر ۱۹۲۶ء، روزنامچہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۶ء، منادی، ۲۰ دسمبر ۱۹۳۵ء۔
خواجہ حسن نظامی: "سفرنامۂ پاکستان" دھلی، ۱۹۵۱ء، ص ۱ تا ۴ (۱۶ مئی ۱۹۵۰ء کو خواجہ صاحب نے پاکستان کا پہلا سفر کیا، دوسرا سفر ۴ نومبر ۱۹۵۰ء کو کیا، ان سفروں کے حالات اپنے روزنامچوں میں شایع کیے مگر بعض تحریریں حکومت دھلی کی نظر میں قابل اعتراض تھیں اس لیے ان سب حصّوں کو خارج کردیا اور سفرنامۂ پاکستان کے نام سے دونوں سفر کے حالات نئے اضافوں کے ساتھ مرتب کیے۔"

ضروری ہے کہ خواجہ حسن نظامی کے حالات زندگی اور ان پر لکھے ہوئے مقالوں میں اس کا تفصیلی ذکر کہیں نہیں ملتا ہے، البتہ مختصر طور پر اس کا ذکر ضرور کیا گیا ہے۔

"سفرنامۂ ہندوستان ۱۹۰۷ء" تک خواجہ حسن نظامی مشہور ہوچکے تھے اور درگاہ خواجہ نظام الدین اولیا کے حوالے سے ان کے روابط مشاہیر سے قائم ہو گئے تھے، جس کی جھلک ہمیں بمبئی اور کاٹھیاواڑ کے سفر کے دوران نظر آتی ہے۔

یہ سفرنامہ روزنامچے کی شکل میں لکھا گیا ہے۔ اس میں بمبئی کے دلچسپ مقامات کا حال، سومنات مندر کے چشم دید واقعات، محمود غزنوی کے جنگی میدان کے سین، ریاست منگرول اور کاٹھیاواڑ کے مشہور تبرکات، ریاست جوناگڑھ کے تاریخی مقامات، احمدآباد اور گجرات کی تاریخی عمارتیں، بزرگان دین کے مزارات اور ریاست بڑودہ کے عجیب و غریب قرآن شریف وغیرہ کی یادگاروں کا مفصل تذکرہ ملتا ہے۔ اس سفرنامے کے ذریعے ہمیں بعض تاریخی حالات سے واقفیت بھی ملتی ہے جو قارئین کی معلومات میں اضافے کا باعث ہو سکتی ہے۔

خواجہ صاحب جب بمبئی پہنچے، اس وقت نواب محسن الملک وہاں پر مقیم تھے، سفرنامے میں نواب صاحب کی ملاقاتوں اور مداراتوں کا ذکر بار بار آیا ہے کہ آج نواب صاحب فلاں صاحب سے ملانے لے گئے، کل نواب صاحب نے فلاں مقام کی سیر کروائی۔ نواب صاحب ان کے پاس جاتے تھے اور وہ خواجہ صاحب کے پاس آتے تھے۔ ایک جگہ پر نواب محسن الملک کے آپریشن کا حال لکھا ہے۔ نواب صاحب کے سر میں پھوڑا ہو گیا تھا، جب اس کا آپریشن کیا گیا، اس وقت خواجہ صاحب بھی وہاں پر موجود تھے۔ سفرنامے میں مشہور ڈراما نویس آغا حشر کاشمیری کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ خواجہ

صاحب نے آغا حشر کے ہمراہ چوپاٹی کی سیر کی، ان کے ساتھ ڈراما "صید ہوس" اور "خواب ہستی" دیکھا۔ "صید ہوس" پر تنقیدی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"حقیقت میں ڈراما ہندوستان اور اردو زبان میں لاثانی ڈراما ہے۔ انسانی ہستی کے جذبات و مدارج پر بڑی مؤثر اور واقعی بحث کی گئی ہے" ۔۱

اس کے علاوہ آغا صاحب سے ان کے نئے ڈرامے "نیکی و بدی" کا پہلا سین سنا اور اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا۔

اس سے یہ محسوس کیا جا سکتا ہے کہ خواجہ صاحب میں ابتدا ہی سے تنقیدی صلاحیت موجود تھی اور وہ بر جستہ اپنی رائے کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے۔

بمبئی میں چونکہ بارش بہت زیادہ ہوتی ہے اس لیے ہمیں اس سفر نامے میں وہاں کی معاشرتی زندگی پر اس کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ مثلاً بمبئی کی پولیس وہاں کی بارش میں وردی کے ساتھ چھتری کا استعمال بھی کرتی ہے جو ان کی یونیفارم میں شامل تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر ایسی دھواں دھار بارش ہوتی ہے کہ ہر شے تر بتر ہوجاتی ہے۔

وکٹوریہ گارڈن سے متعلق اس باغ کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ باغ داؤد سامسون یہودی نے ملکہ کے نام پر بنایا ہے۔ باغ بہت وسیع اور عمدہ ہے۔ اس میں پرند، چرند اور جانور بھی ہیں۔ درمیان میں ایک پختہ عمارت ہے۔

۱۔ خواجہ حسن نظامی: "سفرنامۂ ہندوستان، بابت سفر ۱۹۰۷ء"، بار دوم، دہلی، حلقۃ المشائخ، ۱۹۱۹ء، ص ۵۔

جس میں عجائبات چیزیں رکھی ہیں، مکان نہایت عمدہ اور عالیشان ہے۔ رنگین پتھروں کا فرش ہے۔ وسط میں البرٹ کی تصویر یعنی قد آدم سنگ مرمر کا بت ہے"۔ ۱

۱۹۰۷ء میں یہ باغ اس وقت یقیناً لوگوں کی توجہ کا مرکز رہا ہوگا۔ آج جبکہ دنیا اتنی ترقی کر چکی ہے، اس باغ کی اتنی اہمیت چاہے نہیں رہی ہو لیکن اس کی تاریخی اہمیت بہر حال برقرار رہے گی۔

وہ مطلع کرتے ہیں کہ احسان اللہ عرف کملی شاہ نے جو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے مرید ہیں، "بھڑوچ" میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے۔ یہاں پر ایک کتب خانہ بھی موجود ہے۔ جس کا نام حضور محبوب الٰہی غریب نواز کے اسم گرامی پر محبوبیہ رکھا گیا ہے۔

خواجہ صاحب نے چوپاٹی کی سیر کی جہاں پر اتوار کو تمام بمبئی الٹ پڑتی ہے۔ 'چوپاٹی' کی مقبولیت میں آج بھی کمی نہیں ہوئی ہے۔ بمبئی کے لوگ اور دیگر شہروں کے سیاح آج بھی چوپاٹی کی سیر کے لیے بڑے ذوق و شوق سے جاتے ہیں اور یہاں پر ہر وقت لوگوں کا ایک جم غفیر رہتا ہے۔

انجمن ضیاءالاسلام کے جلسے کا صدر بھی خواجہ صاحب کو بنایا گیا۔ جلسے کے اسباب یہ بیان کیے گئے ہیں کہ 'بھاول' میں چند لاوارث اور یتیم بچے آوارہ پھرتے تھے، اس لیے ان کی خبر گیری کرنی ضروری تھی۔ جلسے میں ان مسائل پر مولوی نظیرحسن سخا، سید امیر شاہ اور آغا حشر نے بڑی عمدہ تقریریں کیں، جس کا اثر

۱۔ خواجہ حسن نظامی: "سفرنامۂ ہندوستان، بابت سفر ۱۹۰۷ء"، ص ۱۰۱۔

یہ ہوا کہ لوگوں نے ایک ایک دو دو لڑکوں کی کفالت کا وعدہ کیا۔

یہاں پر خواجہ صاحب نے بھی دو بچوں کا خرچ انجمن کو دینا منظور کیا۔ اس جلسے میں ان کی ملاقات، ایڈیٹر 'حبیب الاخبار' امجد مرزا صاحب سے ہوئی۔ اس وقت ان کا اخبار بمبئی میں خاصا مشہور تھا۔

اس سفر کے دوران خواجہ صاحب نے بمبئی کے جلسوں میں تقریریں کیں اور ان جلسوں کی صدارتیں بھی فرمائیں۔ بمبئی میں انھیں شیخ عبدالقادر کا خط ملا۔ نواب مرسل اللہ خاں اور نواب حبیب الرحمان خاں شیروانی (نام نگار پیسہ اخبار) کو علی گڑھ خطوط روانہ کیے۔ اسی سفر کے دوران، مولوی عزیز مرزا اور نواب علی حسن خاں کو لکھنؤ، اور شیخ محمد اقبال کو "کیمبرج" خطوط ارسال کیے۔

علامہ اقبال اور سر عبدالقادر سے ان کے مراسم ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۴ء سے تھے۔ لیکن دیگر شخصیات سے ان کے مراسم کا احوال اس سفرنامے سے ملتا ہے۔ اس سفر کے دوران مولانا حالی، مولانا شبلی اور شیخ محمد اکرام سے خط و کتابت کا احوال بھی معلوم ہوا۔

سفر کے دوران، سید محفوظ علی نے ان کی ملاقات رئیس الاحرار مولانا محمد علی سے بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں کروائی۔ اس وقت وہ محمد علی آکسن کے نام سے پہچانے جاتے تھے اور ریاست بڑودہ میں محکمۂ افیون کے افسر مقرر تھے۔ خواجہ صاحب محفوظ علی بدایونی کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ صاحب عربی اور انگریزی تعلیم یافتہ ہیں، پچاس برس کی عمر ہوگی، برہرہ شمالی لینڈ میں جج ہیں۔

آج کل رخصت پر آئے ہیں اور بمبئی میں چینی برتن کی دوکان کھولی ہے"۔۱

محفوظ علی کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ "انھوں نے انگریزی تعلیم یافتہ طبقے میں واقعی تجارت کی بہت اچھی مثال قائم کی ہے۔ اور ان کے لیے دل سے دعاگو ہیں کہ خدا تعالیٰ انھیں ترقی اور کامیابی عطا کرے اور مسلمانوں کو اس نمونے کی تقلید کرنی نصیب کرے"۔۲

یوں محسوس ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب تجارت کے گر سے بہتر طور پر واقف تھے۔ دراصل انھوں نے بعد میں خود بھی کافی عرصے تک تجارت کی تھی اور اس میں انھیں خاصا منافع بھی حاصل ہوا تھا۔

اس سفرنامے میں ناگ پنچمی کی سیر اور ناریل پونم کے میلے کا ذکر بھی ملتا ہے، جس سے اس وقت کی معاشرت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ میلہ قلعے کے میدان میں دس دن کے لیے منعقد کیا جاتا ہے۔ "ناگ پنچمی" کی سیر کا نقشہ وہ یوں کھینچتے ہیں:

۱۔ خواجہ حسن نظامی: "سفر نامۂ ہندوستان ۱۹۰۷ء" دھلی، ۱۹۔

۲۔ سید محفوظ علی مرحوم، علی گڑھ کے پرانے طالب علموں میں سے تھے۔ حیدرآباد میں مولوی عزیز مرزا، مولانا شبلی اور مولانا شرر مرحوم کی صحبتیں دیکھ چکے تھے۔ علی برادران سے اوائل طالب علمی ہی سے نہایت گہرا اور مخلصانہ تعلق رہا تھا۔ "کامریڈ" اور "ہمدرد" اخبار کی تعمیر و تشکیل میں یہ مولانا محمد علی کے شریک تھے۔ علی گڑھ کے مشہور پرنسپل سرماریسن کے ایما سے شمالی لینڈ (افریقہ) میں کچھ عرصہ جج کے عہدے پر فائز رہے۔ (رشید احمد صدیقی: "گنجہائے گرانمایہ،" راولپنڈی، فرینڈز پبلشرز لائبریری، ۱۹۶۰ء، ص ۲۰۹۔)

"میر حمیدالحسن صاحب جوہر کے ہمراہ ناگ پنچمی کی سیر کو گئے۔ یہ ہندوؤں کا میلہ ہے۔ جے جے ہسپتال کے قریب پارسی مورت کے سامنے تالاب پر میلہ ہوتا ہے۔ ہزاروں ہندو جمع ہوتے ہیں اور ہزاروں ہندو تماشائی بھی آجاتے ہیں۔ سینکڑوں آدی بانس کی پٹاریوں میں سانپ لیے بیٹھے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ ناگ کو دودھ پلاؤ۔ لوگ ان کو پیسے دھیلے دیتے ہیں۔ یہ سانپ کی گردن پکڑ کے دودھ کی پیالی میں جو ان کے پاس رکھی ہوتی ہے ڈبو دیتے ہیں۔ سانپ زبان نکالتا ہے اور ان کے خیال میں دودھ کی نذر قبول کر لیتا ہے۔ کچھ لوگ جمع ہو کر گاتے ہوئے چکر لگاتے ہیں۔ ان کے آگے شب جی کا ترشول ہوتا ہے۔ جس پر نیواڑ کسے ہوئے ہوتے ہیں" ۔۱

ناگ ہندو قوم کی مذہبی علامت ہے۔ اس لیے لوگوں میں اس سے مذہبی عقیدت پائی جاتی ہے۔ اس میلے کی روداد سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی نذر نیاز کر کے ضرورت مند اور حاجت مند حضرات اپنی مرادیں پوری ہونے کی آس لگا لیتے ہیں۔ یہ لوگ کمزور عقیدے کے لوگ ہوتے ہیں اس لیے آسانی سے بیوقوف بن جاتے ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو جعلساز لوگ اس طرح سے لوگوں کو لوٹ بھی لیتے ہیں۔ اس توہم پرستی کی وجہ سے چالاک اور عیار لوگوں نے ٹکسال بنانے کے طریقے ایجاد کر لیے ہیں۔

۱۔ خواجہ حسن نظامی: سفرنامۂ ہندوستان ۱۹۰۷ء، ص ۲۲۔

ناریل پونم کے میلے کے بارے میں خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"یہ میلہ غالباً اس دن ہوتا ہے جب ہماری کلائی میں راکھی باندھی جاتی ہے۔ دوپہر کو میلے کی تیاری تھی، دکانوں کو آراستہ کیا جارہا تھا۔ جگہ جگہ میلے کے ٹھاٹ جم رہے تھے۔ مرد گاتے ہیں اور طبلہ بجاتے ہیں۔ عورتیں گاتی ہیں اور منجیرے بجاتی ہیں۔ مگر منجیرے بجانے کی طوز نرالی ہے۔ منجیرے کے درمیان ڈوری ہاتھ کی انگلی میں اس طرح لپیٹ لی جاتی ہے کہ ایک منجیرہ انگلیوں سے ہتھیلی کی طرف لگ جاتا ہے اور ڈوری کے دوسرے سرے کا منجیرا پھر پھرا کر جڑے ہوئے منجیرے پر مارا جاتا ہے۔ منجیرے دونوں ہاتھوں میں مذکورہ طرز سے اس سبکی کے ساتھ بجاتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ طبلے کی گت پر منجیرہ اڑتا ہے اور بجتا ہے۔ عورتیں ہاتھوں کی حرکت عجب مضحکہ خیز مگر دلچسپ پیرایے میں دکھاتی ہیں۔ یہ لوگ بھکاری معلوم ہوتے ہیں، سامعین پیسہ دے رہے تھے"۔۱

مذکورہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرہٹہ قوم کے مرد حضرات اور خواتین، طبلے اور منجیرے ۔۲ کے فن میں ماہر ہیں اور غالباً یہ ان کا پیشہ ہے۔ ایسے تہواروں پر اس فن کے طاق فن کاروں

۱۔ خواجہ حسن نظامی: "سفرنامۂ ہندوستان ۱۹۰۷ء"، دہلی، ص ۲۹۔

۲۔ یہ پیتل کی کٹوریاں ہوتی ہیں جو طبلے اور ساز کے ساتھ بجائی جاتی ہیں۔ (جدید نسیم اللغات اردو، مرتبین سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، قائم رضا نسیم امروہوی، آغا محمد باقر، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۵ء، ص ۹۱۹۔)

کے مظاہرے کے ساتھ ان کی آمدنی بھی ہوجاتی ہے اور سامعین اور ناظرین الگ محظوظ ہوتے ہیں۔

بمبئی کا تاج محل ہوٹل اس زمانے کے لحاظ سے ایک جدید ترین ہوٹل تھا۔ اس ہوٹل میں خواجہ صاحب سید محفوظ علی کے ہمراہ کئی بار گئے۔ ہوٹل میں مسافروں کے آرام کا خیال رکھنے کے لیے ہر طرح کی سہولت مہیا کی گئی تھی۔

خواجہ صاحب اس ہوٹل کی تعریف میں رقمطراز ہیں:

"واہ ہوٹل کیا ہے ایک تماشا گاہ یا آراستہ شاہی محل ہے پانچویں منزل کے بالا خانے پر ہمارا مقصود تھا۔ سید صاحب نے ایک بٹن دبایا۔ فوراً ایک چکر کی سی آواز پیدا ہوئی۔ اور اڑن کھٹولہ لئے ہوئے ایک آدمی آسمان سے زمین پر آیا۔ سرخ مخملی کونچ پر جو کھٹولے میں رکھی تھی ہم بیٹھ گئے۔ ہمارا بیٹھنا کہ کھٹولے کے موکل نے منزل دریافت کی۔ کہا گیا پانچویں منزل۔ حکم ملتا تھا کہ موکل نے ایک اشارہ کیا۔ اشارہ کرتے ہی کھٹولہ اڑا۔ اور تیزی سے کہ سناٹا آتا تھا۔ راستے میں دوسری، تیسری، چوتھی منزلوں کے خوبصورت نظارے ہوتے گئے۔ آناً فاناً میں پانچویں آسمان پر آگئے"۔[۱]

اس اڑن کھٹولے کو لفٹ کہا جاتا ہے جو آج کے دور میں عام شے ہے۔ اس کے علاوہ ہوٹل میں ہر ریلوے کمپنی کا ٹکٹ گھر، ڈاکخانہ اور تار گھر موجود تھا۔ مسافروں کے استعمال کے لیے ہر قسم کا سامان تعیش بھی موجود تھا۔ اس وسیع عمارت میں لوگوں کی

۱۔ خواجہ حسن نظامی: "سفرنامۂ ہندوستان ۱۹۰۷ء"، ص ۳۲۔

رہائش کے لیے تقریباً پانچ سو کمرے تھے، یہاں پر زیادہ تر امراً قیام کرتے یا پھر انگریز۔ کیونکہ یہاں کا کرایہ ایک عام آدمی کی جیب سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ یہ ہوٹل ٹاٹا پارسی کی ملکیت تھا۔

اس سفر کے دوران خواجہ صاحب نے عجیب و غریب قلمی نوادر اور قرآن شریف وغیرہ کا دیدار بھی کیا۔ ۱ یاقوت، مستعصمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف ان کی نظر سے گذرا۔ ایک اور قرآن شریف، جسے حضرت بہاءالدین نقشبند پڑھا کرتے تھے، جس پر ان کی یادگار ثبت ہے اور ان کے بعد یہی قرآن شریف بابر بادشاہ کے پاس پہنچا، ان کی تحریر بھی اس قرآن شریف پر درج ہے۔۲

بمبئی کی جامع مسجد کے کتب خانے کا احوال بھی ہمیں اس سفرنامے میں ملتا ہے، جس میں خواجہ صاحب نے ایک مکتوب، حضرت خواجہ بزرگ کا، خواجہ قطب صاحب کے نام دیکھا۔ اس کے

۱۔ اصل نام جمال‌الدین، لقب، "قبلۃ الکتّاب" اور عرفیت یاقوت مستعصمی ہے۔ بنی عباس کے آخری خلیفہ، مستعصم باللہ کے غلام تھے لیکن اپنے کمالات کے باعث دربارِ خلافت میں بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ یاقوت کی وجہ شہرت ان کی خوشنویسی ہے۔ فن خوشنویسی کے ماہر تھے۔ یہ فن انہوں نے زینب خوشنویس اور عبدالمومن اصفہانی سے سیکھا۔ اس کے علاوہ شاعر اور ادیب بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی عمر میں ایک ہزار قرآن مجید لکھے جن کے متعدد نسخے مختلف مقامات پر محفوظ ہیں۔ ان کا انتقال سنہ ۶۶۷ھ/ ۱۲۶۸ء میں ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: "صحیفۂ خوشنویساں" از مولوی احترام‌الدین احمد شاغل عثمانی، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، ۱۹۶۳ء، ص ۱۸۵—۱۸۷)

۲۔ خواجہ حسن نظامی: "سفرنامۂ ہندوستان،" ص ۳۳۔

علاوہ رسالہ "نشاط العشق"۔۱ ازعبداللہ بن حسن بن علی اکمل الجیلانی کی بھی زیارت کی جو حضرت غوث الاعظم کے کلمات کی شرح ہے۔ یہ ذات باری سے مکالمے کی صورت میں ہے جو غالباً عالم کشف میں حضرت غوث کو پیش آیا تھا۔ یہاں پر ایک اور رسالے کا ذکر بھی ملتا ہے، جس کا نام "ناطقیہ" ہے۔ اس میں تصوف اور اخلاق کے "۲۲ نطق" بیان کیے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ سید عبدالواحد بلگرامی کی شرح کافیہ ہے جو واضح طور پر تصوف میں لکھی گئی ہے۔ یہاں ایک ایسی عجیب و غریب کتاب کا بھی ذکر ملتا ہے، جس کے ہر صفحے پر چار کتابیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر یونہی مسلسل پڑھتے جائیے تو ایک کتاب بن جاتی ہے اور اگر پہلے حروف نیچے تک ملاتے جائیں تو دوسری کتاب، درمیانی حروف ملائیے تو تیسری اور آخری حروف ملا کر پڑھیں تو چوتھی کتاب بن جاتی ہے۔

اس طرح چار علوم کی علحدہ علحدہ چار کتابیں مرتب ہوجاتی ہیں۔

"مجگاؤں" میں آغا خان اوّل کے مقبرے کا آنکھوں دیکھا حال یوں بیان کرتے ہیں:

۱۔ اس کتاب کے املا کے لحاظ سے دو نام ملتے ہیں ۱۔ نشاۃ العشق ۲۔ نشاط العاشقین۔ (مختلف قلمی نسخوں میں کاتبوں نے ناموں کی املاء اس طرح کی ہے) یہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے مشہور رسالہ "غوثیہ" کا فارسی ترجمہ ہے۔ مترجم کا نام عبداللہ بن حسن بن علی مکی حسینی جیلانی ہے۔ اس کتاب کے ۱۶ قلمی نسخے پاکستان میں موجود ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ (فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، تالیف، احمد منزوی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، جلد سوم، صفحہ ۲۰۶ تا ۲۰۷)

"ایک وسیع احاطے میں یہ خوبصورت مقبرہ ہے، سنگ مرمر کا دو گز چبوترہ ہے۔ اس پر گنبد قائم ہے، سنہری کلس ہیں۔ فرش مختلف رنگ کے پتھروں کا ہے۔ سنگ مرمر اور سنگ سیاہ وغیرہ کے گنبد کے اندر ایک اور سنگ مرمر کی خوبصورت راوٹی ہے، اس میں تین قبریں ہیں۔ ایک شاید آغا حسن علی شاہ جو آغا خان صاحب حال کی ہے۔ اور دو کی نسبت ٹھیک معلوم نہیں اس گنبد کے کواڑ چاندی کے ہیں" ۔۱

خواجہ صاحب اس مقبرے کی سیر پوری طرح نہ کر سکے، کیونکہ انہیں اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی تھی، اس لیے انھوں نے یہ لکھ کر کہ "باقی کے مفصل حالات دوبارہ سیر میں لکھے جائیں گے کیونکہ ہم کو اندر جانے کی اس وقت اجازت نہ ملی تھی" مکمل حالات نہیں لکھے ہیں۔ اس لیے اس مقبرے کے متعلق پوری تفصیلات نہیں ملتیں۔

منظر نگاری پر خواجہ صاحب کی بڑی دسترس ہے۔ مانگرول جاتے ہوئے سمندری جہاز کے سفر کے دوران لکھتے ہیں:

"صبح جہاز میں ہوئی۔ مگر واہ کیا سہانی فجر تھی۔ سکوت شب میں غیر مسموع صدائیں پیدا ہو گئیں۔ جب صبح کا نور چمکا، آسمان کے کنارے جو سمندر میں غرق تھے، سرخ ہونے شروع ہوئے۔ اور یکایک ایک روشن سنہری گول چیز کا کنارہ پانی سے برآمد ہوا۔ اس کا نکلنا تھا کہ سطح آب پر ایک گہری روشنی نمودار

۱۔ "سفرنامۂ ہندوستان ۱۹۰۷ء" ص ۵۰ - ۵۱

ہوگئی۔ ہوتے ہوتے آفتاب پورا نکل آیا اور سمندر میں
اس کی زرد شعاعیں جھلکنے لگیں" ۔ ۱

منظر نگاری کے ذیل میں، الفاظ پر خواجہ صاحب کی پوری گرفت نظر آتی ہے۔ صبح کا پورا منظر نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ یہی ایک انشاء پرداز کا کمال ہے کہ وہ اپنے اسلوب کے ذریعے گذرے ہوئے واقعات اور مناظر قاری کے سامنے ایک فلم کی طرح لے آئے۔

"مانگرول" کے متعلق ان کا خیال ہے کہ یہاں موسم اور آب و ہوا بہت اچھی ہے لیکن بمبئی کی طرح چہل پہل نہیں بلکہ بقول خواجہ صاحب سن سانی ہے۔ یہ علاقہ ذرا سن سان ہے۔ مانگرول کے نظر باغ میں خواجہ صاحب نے بعض تاریخی مقامات دیکھے اور زیارتیں بھی کیں۔ حضرت شیخ بہاءالدین صبوری عرف باون صبوری کا مزار دیکھا، جس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ "یہاں عجیب ہیبت طاری رہتی ہے، مزار اس قدر میلی اور کثیف جگہ پر ہے کہ جی گھبرانے لگتا ہے۔ البتہ مزار سے آثار قلندری ضرور مترشح پائے گئے ہیں" ۔ ۲

زیارت کے دوران مختلف قسم کی متبرک اشیاء کا جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور دیگر بزرگان دین سے منسوب ہیں دیدار کیا۔ ان کی مختصر کیفیت بیان کی جاتی ہے۔

تاج : یہ روئی کا ایک ٹوپ ہے جو استعمال کی حالت میں کانوں کو ڈھانپ سکتا ہے۔ ریشمی ابرہ ہے مگر رفتار زمانہ کے باعث بوسیدہ ہوگیا ہے۔ اس کی نسبت مشہور ہے کہ جب مخدوم اس کو پہنتے تھے تو انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا، لیکن وہ سب کو دیکھ سکتے تھے۔

۱۔ ایضاً، ص ۵۷۔
۲۔ ایضاً ص ۵۷۔

مصلّٰی : یہ مصلّٰی حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی رحمہ سے منسوب ہے، یہ مصلّٰی بہت بوسیدہ ہے ، ابتداً میں یہ ابرہ سبز رنگ کا دبیز کپڑا تھا ، مگر قدامت کے باعث کپڑے کی اصل شکل نظر نہیں آئی۔ اس طرح کے کپڑے عرب ممالک میں بھی بنائے جاتے ہیں۔

کمربند اور کنگھا : یہ اشیاء حضرت مولانا ابوالفتح شاہ رکن عالم ملتانی سے منسوب ہیں۔ کمربند ، سیاہ رنگ کا اونی ہے، جس کی بناوٹ خوبصورت ہے اور کنگھا سفیدی مائل لکڑی کا ہے جو موجودہ صنعت ملتانی سے کچھ غیر معمولی نہیں۔ اس کے دونوں اطراف ابھرے ہوئے حروف میں درود شریف کندہ ہے۔

عمامہ : حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے منسوب ہے۔ یہ ایک یہ باریک ململ کا سفید رنگ کا عمامہ ہے۔

قرآن شریف : حضرت مخدوم سکندر اسی قران شریف کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، اس کا خط بہاری۔۱ کوفی کے قریب ہے، ایسی طرز تحریر خلیجوں کے عہد میں پائی جاتی تھی۔ اس کے اوراق بہت بوسیدہ ہوگئے ہیں اور آخر کا کچھ حصہ ضایع بھی ہوگیا ہے۔ شاید اس کی حفاظت کا صحیح طور پر انتظام نہ ہو پایا ہوگا۔

شجرہ : چودہ گز کپڑے پر حضرت آدم سے لے کر اس وقت تک کے کل نبیوں اور سادات کے نسب نامے درج ہیں۔ یہ ایک عجب شے ہے، تمام صوفیہ کرام کے طریقوں کے نسب نامے اور سلسلے موجود ہیں۔ یہ ایک طویل تاریخ ہے۔

ان تبرکات کے علاوہ ۳ نشانات اور ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ خط بہار پر دیکھیے ڈاکٹر وحید قریشی کا فاضلانہ مقالہ مطبوعہ مجلہ تحقیق، پنجاب یونیورسٹی لاہور ، شمارہ ۱، صفحہ ۔۔۔

مختلف بزرگان دین کے نام سے منسوب ہیں۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف مبارک، حضرت علی رضہ، حضرت سید احمد کبیر رحہ، حضرت غوث الاعظم رحہ، حضرت بہاءالدین زکریا رحہ کے اسماء کے نشانات ہیں جن پر کہیں آیاتِ فتح و نصرت، کہیں ائمہ کے نام اور کہیں درود شریف درج ہیں۔ ۱

خواجہ صاحب نے متبرک مقامات کے علاوہ تاریخی مندروں کا بھی دیدار کیا۔ ایک عرصۂ دراز سے "سومنات مندر" کی صحیح صورت حال کہیں نظر نہ آتی تھی لیکن انھوں نے بغور مشاہدہ کیا اور ہمیں معلومات بہم پہنچائیں۔

"سومنات مندر" دیکھنے کے دوران راستے میں انھوں نے بلاول مندر، بھیڑی کا مندر اور شب جی کا مندر بھی دیکھا۔ بقول خواجہ صاحب کے، بھیڑی کا مندر، شب جی کا مندر ہے اس کی چھت پر مسجد کا نشان بنا ہوا ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ یہ مندر قائم نہ رہتا تھا یعنی جب بھی مندر بناتے گر پڑتا تھا، جب اس پر مسجد کا نشان بنایا گیا تو مندر نہیں گرا۔ اس مندر کے خاص کارندے نے بتلایا کہ جوتشی لوگوں نے اس قسم کے نشان بنانے کو مفید بتلایا تھا۔ ۲

"بھیڑی مندر" سے آگے چل کر رئیس عبداللہ خان بن علی خان کا مزار ہے، یہاں ایک درگاہ منگلوری شاہ کی بھی مشہور ہے جو محمود غزنوی کے حملے سے پہلے یہاں پر تشریف لائے تھے۔ "مانگرول" میں مندر کی مسجد آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی اور آپ ہی کے اشارے پر محمود نے "سومنات" کا سفر کیا تھا۔

۱۔ خواجہ حسن نظامی، "سفر نامۂ ہندوستان"، ص ۵۸۔
۲۔ ایضاً۔ ص ۳۱۔

یہاں پر ایک روایت مشہور ہے کہ سومنات کا راجا جب تک ایک مسلمان کو "مورت" کے سامنے قربان نہ کر لیتا تھا، مسواک نہ کرتا، اس لیے مسلمانوں کو ڈھونڈ کر لایا جاتا تھا۔ ("سفرنامۂ ہندوستان"، ص ۴۲)

ان ہی دنوں چند مسلمان تجارت کے لیے ان علاقوں میں آ کر آباد ہوئے۔ پُری نامی ایک تیلن مسلمان بڑھیا کا جوان بیٹا بھی ہندوؤں نے اپنے بت پر قربان کر دیا۔ غریب بڑھیا، لڑکے کے غم میں حضرت منگلوری شاہ کے پاس فریاد لے کر پہنچی۔ حضرت کے ہندو اور مسلمان دونوں معتقد تھے۔ بڑھیا کی مظلومیت دیکھ کر حضرت کو بہت افسوس ہوا اور آپ نے ایک خط محمود غزنوی کو لکھا، جس میں "سومنات" کے مظالم کے علاوہ تمام راستوں اور جنگی نشیب و فراز کی اطلاع محمود کو دی۔ اس عرصے میں حضرت شاہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ (ص۔ ۶۳)۔

الغرض، ان کے روضے کی عمارت چھوٹے چار ستونوں پر قائم ہے، مزار پر اسرار لیکن دلچسپ ہے، حضرت کا عرس شب برات کی پہلی کو ہوتا ہے۔ یہاں پچاس گھر مجاوروں کے ہیں اور کوئی جاگیر نہیں۔ عرس کے لیے ایک خفیف سی رقم جونا گڑھ سے ملتی ہے۔

اس خانقاہ کے باہر جنوب میں ایک چھوٹا سا گنبد ہے جو ۱۳ ستونوں پر قائم ہے، برج پر ہندو تہذیب کے عجوب و غریب نقش و نگار کے ہزاروں بت بنائے گئے ہیں۔ وسط میں مائی پُری کا مزار ہے جو محمود کے حملے کا باعث بنی تھی۔ اس مندر میں میلوں تک قبرستان پھیلا ہوا ہے۔ گھوڑوں کی قبر پر گھوڑے کا چہرہ گردن تک بنا دیا گیا ہے۔ (ص۔ ۶۳)

قلعہ پٹن کے دروازے پر جب خواجہ صاحب پہنچے تو یہ سب دیکھ کر ان پر رقت سی طاری ہوگئی۔ عین دروازے کے پھاٹک کی بائیں طرف پہلو میں ان گھوڑوں کی قبریں ہیں، جو پہلے حملے پر ہی کٹ کر گر پڑے تھے۔ یہ قبریں زرد پتھر کی بنی ہوئی ہیں اور ان کے سرہانے قلعے کی دیوار میں دو کتبے چسپاں ہیں۔

دروازے کے اندرونی حصے میں پتھروں سے نہایت عمدہ گلکاری کی گئی ہے۔ ذرا آگے بڑھیے تو دائیں طرف دیوار میں دو کتبے سیاہ پتھروں کے سنسکرت میں کندہ ہیں۔ نہایت تنگ بازاروں میں سے گذرتے ہوئے اصل مندر تک پہنچا جا سکتا ہے۔

راستے میں جگہ جگہ خانگی مکانات اور دوکانوں میں قدیم طرز کے پتھر نصب کیے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ شہر جسے پٹن کہا جاتا ہے بالکل ہندوؤں کے قدیم شہروں کی وضع قطع پر بنا ہوا ہے لیکن بڑا تنگ و تاریک اور متعفن شہر ہے۔ (ص ۶۴)

خواجہ صاحب مندر میں داخل ہوئے تو قدیم زمانے کا ایک شکستہ حال مکان دیکھ کر ان کا دل بھر آیا اور مقابل کے دروازے پر دو سیاہ کوّے بیٹھے دھیمی آواز سے نوحہ خوانی کرتے ہوئے نظر آئے۔ مندر ایک جدید گول سے احاطے میں واقع ہے اور اندر جگہ جگہ بیل، شیر اور گھوڑوں کے شکستہ بت پڑے نظر آئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ دروازے کی ابتداء میں دورخی صنچیاں ہوں گی مگر اب فقط آثار موجود ہیں۔ جگہ جگہ شکستہ مورتوں اور پاکیزہ نقش و نگار کے نشان موجود ہیں۔ چوک ختم ہوتے ہی سنگ سیاہ کی بیضوی سیڑھی نظر آتی ہے، اس کے بعد دو زینے چڑھ کر وہ حجرہ ہے جہاں سومنات [1]

۱۔ "سومنات" مورخوں کے مطابق مہادیو کا مندر تھا اور محمود
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کی اصل مورت رکھی ہوگی۔ اندر نیچے اترنے کے تین زینے ہیں۔

یہ حجرہ آٹھ قدم مربع بنا ہوا ہے، بت کی پشت پر دیوار میں دو طاق بنے ہوئے ہیں اور ایک ایک ابتدائی حصّے کی دیوار پر ان طاقوں پر نہایت خوبصورت قسم کے بت بنے ہوئے تھے لیکن

(صفحہ ۲۷۹ کا بقیہ حاشیہ)

کے حملے سے پہلے ہندوستان کے مشہور تیرتھوں میں شمار ہوتا تھا، چاند سورج گرہن کے دنوں میں لاکھوں آدمی دور دور سے یہاں آتے تھے۔ سومناتھ دیوتا مندر کے باہر دروازے کی طرف کھڑا تھا۔ اس کی مورت پانچ گز تھی، ۲ گز زمین کے اندر اور تین گز زمین کے باہر۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جواہر و الماس جو در و دیوار میں جڑے ہوئے اور مرصع قندیلوں میں لگے ہوئے تھے۔ ان کی وجہ سے رات کو دن کا گمان ہوتا تھا۔ بیرونی روشنی کی ضرورت نہ تھی۔ چھپّن ستون مرصع جواہرات کے تھے۔ چھت میں دوسو من سونے کی زنجیر لٹکتی تھی۔ گنگا چھے سو کوس دور ہونے کے باوجود روزانہ گنگا جل آتا اور اس سے سومناتھ کا اشنان ہوتا تھا۔ پانچ سو لڑکیاں پوجا کے وقت گاتی اور ناچتی تھیں۔ گجرات کی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے حملۂ سومنات کے کچھ عرصے بعد ہندوؤں نے دوبارہ مندر کو درست کر کے سومناتھ کی مورت اس میں قائم کردی تھی۔ نویں صدی ہجری میں سلاطینِ گجرات نے اس مندر پر حملہ کیا اور مورت کو توڑ ڈالا۔ اس کے بعد یہ مندر کبھی آباد نہ ہوا۔ یہ مندر باہر سے ہشت پہلو اور غالباً اسی موقع پر ہے جہاں پہلے تھا۔ (عبدالرحمان امرتسری: "سیاحت ہند، امرتسر، وکیل ٹریڈنگ کمپنی، ۱۹۰۹ء ص ۲۰۱)۔

زمانے کی گردش سے شکستہ ہوگئے ہیں۔ اس حجرے کا برج قائم ہے، صرف ذرا سا سوراخ ہوگیا ہے۔ برج کے وسط میں ایک مچان ہے جو کہیں کہیں سے شکستہ ہے اندرونی فرش نرم اور گیلی مٹی کا بنا ہوا ہے۔ (ص - ٦٥)

خاک پر حجرے کے عین وسط میں اس مقام پر جہاں مورت رکھی ہوگی، خواجہ صاحب نے بیٹھ کر اول شیخ عبدالقادر کو خط لکھا۔ اس بعد مولوی سعید احمد، پیرزادہ لطیف‌الدین اور بعد میں محمود کو فرداً فرداً خطوط لکھے۔ خواجہ صاحب پر اس وقت ایک جذباتی کیفیت طاری تھی، اس لیے لکھتے ہیں۔

"جو کچھ ان خطوں میں لکھا، نہیں معلوم کیا تھا۔ شاید کفر لکھا یا وہ لکھا جو لکھنا زیب نہ تھا۔ مگر کیا کریں جذبات باطن سے مجبور تھے۔ کاش کوئی ہمراز پاس ہوتا تو اس کے سامنے بڑ لگا کر جی ٹھنڈا کرتے۔ کوئی نہیں جو قلب کے اضطراب میں موجب تسکین ہوتا"۔[۱]

خواجہ صاحب کے یہ تاثرات ظاہر کرتے ہیں کہ مندر دیکھنے کے دوران وہ بڑے جذباتی نظر آتے ہیں۔ غالباً اس لیے کہ یہ جگہ ہندوستانی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتی ہے اور ایک بہت بڑے باب کا اضافہ کرتی ہے۔ بقول خواجہ صاحب "اس مندر کی چوکھٹ پر کروڑوں نامور لوگوں کے سر اور قدموں کے نشان ہوں گے"۔

یہاں تک پہنچ کر سفرنامے کے نصف اوّل کے مشتملات کا تعارف تمام ہوتا ہے۔ بقیہ حصّے میں بھی خواجہ حسن نظامی نے عمدہ معلومات پیش کی ہیں۔ اس حصّے کے موضوعات یہ ہیں:

۱۔ خواجہ حسن نظامی: سفر نامۂ ہندوستان بابت ۱۹۰۷ء، ص ٦٥۔

جوناگڑھ کے حالات:

جوناگڑھ کی لائبریری، بہاءالدین کالج، جس کا درمیانی ہال اسٹریچی ہال -۱ کے برابر ہے۔ "نواب بہادر خان کا مقبرہ، جن کے پہلو میں میاں بہاءالدین، سابق وزیر جوناگڑھ کا مقبرہ ہے"-۲

یہاں کا جیل خانہ جو مثل ایک راحت خانے کے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کا ہر قیدی شادان و فرحان اور توانا نظر آتا ہے، کیونکہ ریاست کا سلوک نہایت عمدہ ہے اور زیادہ سرکش قیدیوں کے لیے یہاں پر ایک "بلیک ہول" بھی ہے۔ (ص۹۷)

پرانا قلعہ جس کی وجہ سے جوناگڑھ مشہور ہے۔ (جونا گجراتی میں پرانے کو کہتے ہیں اور گڑھ کا مطلب قلعہ ہے) ہندوؤں کا مندر، اس سے برابر ہی ایک مسجد ہے جس کی وجہ سے ایک عجیب طرح کی یکجہتی نظر آتی ہے۔ مصری ساخت کی توپ، جس کی طوالت تقریباً ۷ گز ہے، اس کے علاوہ خندق، پتھر کی کان اور وہ مقام جہاں پر مجرم کو قتل کیا جاتا ہے یعنی "پھانسی گھاٹ" کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

احمدآباد پانچ پٹی کے حالات:

موضوع آسارڈا میں "دائی ھری کی باؤلی" ہے جو احمدآباد

۱- یہ اسٹریچی ہال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قائم ہے۔

۲- شیخ بہاءالدین کے ہاتھوں میں ایک مدت دراز تک ریاست کا نظم و نسق رہا، یہ تین نوابوں کے زمانۂ فرمانروائی تک اسی عہدے پر ممتاز رہے، خود لکھے پڑھے نہیں تھے لیکن اھل علم کے قدردان تھے۔ ان کے حسن تدبیر سے امور رفاہ عام میں بہت ترقی ہوئی (دیکھیے عبدالرحمان امرتسری: "سیاحت ہند"، لاھور، نولکشور، ۱۹۰۹ء، ص ۱۹۷)

سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔ سابرمتی ندی کا پل ، حضرت بابا، شیر علی ۱ کا مزار ، جس کا گنبد بالکل حضرت خواجہ بزرگ اجمیری کی طرز کا ہے ۔ ان کے برابر ان کے طوطے کی قبر، جس پر سبز غلاف چڑھا رہتا ہے اور روضے کے باہر ایک سانپ کی قبر ہے جو غالباً بابا کا پالتو ہوگا۔

"شیخ احمد کھٹو کا مزار اور شاہانِ گجرات کے شکستہ محل، حضرت شیخ احمد کی درگاہ نہایت عالی شان ہے ۔ یہ ایک عظیم الشان عمارت ہے جس کے چاروں اطراف جالیاں لگی ہوئی ہیں، لیکن سب مختلف وضع کی اور نہایت نفیس کہ عقل دنگ رہ جائے" ۔۲

حضرت شیخ احمد کھٹو کا تعلق سلسلۂ چشتیہ سے ہے۔ یہ ایک برھمن زادے تھے، بعد میں مسلمان ہوکر یہ رتبہ پایا کہ

۱۔ حضرت بابا علی شیر کا مشرب رندانہ تھا ، آپ کا شمار قلندر فقیروں میں ہوتا ہے ، آپ ان بارہ برگزیدہ ہستیوں میں ہیں جنھوں نے احمدآباد کا سنگ بنیاد رکھنے میں امداد دی ، ان چار بزرگوں کے علاوہ ہیں، جن کا نام احمد تھا اور جنھوں نے احمدآباد کا سنگ بنیاد رکھا (ڈاکٹر ظہورالحسن شارب : تاریخ صوفیائے گجرات ، احمدآباد ، گجرات ، جمیل اکیڈمی ، ص ٦٠)

۲۔ ان بزرگ کا اصل نام ملک نصیرالدین ہے لیکن مشہور شیخ احمد کھتوی، (کھٹو) کے نام سے ہیں۔ نویں صدی ھجری میں سلسلۂ مغربیہ کے ایک جلیل القدر شیخ اور گجرات کے مقبول ترین بزرگوں میں سے گذرے ہیں ۔ تالاب کے شمالی کنارے پر ان بزرگ کا مقبرہ ہے جو سلطان احمد شاہ کے پیر و مرشد تھے (تفصیلی مطالعے کےلیے دیکھیے ظہورالحسن شارب : "تاریخ صوفیائے گجرات" ، ص ۲۴۳)

شاہانِ گجرات کے پیرو مرشد بنے۔ یہاں پر "حضرت شاہ عبدالوہاب بغدادی" کا مزار بھی ہے، ان کی نسبت لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہاں آ کر آسیب کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور یہاں پر ہندو خواتین زیادہ تعداد میں رہتی ہیں۔

احمدآباد اور گجرات کے حالات:

یہاں کی شاہی جامع مسجد، ۱ ہندوستان کی لاثانی مسجد ہے۔ جامع مسجد کے مقابل، سلطان احمد بادشاہ گجرات، بانیٔ احمدآباد کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ نہایت خوبصورت، اعلیٰ اور نفیس کاریگری کا نمونہ ہے۔ حضرت شیخ میاں جی کا مزار، جو کہ حضرت شیخ حسن محمد چشتی کے والد بزرگوار تھے؛ لیکن سلسلہ نظامیہ فخریہ میں شیخ میاں جی کا نام نہیں آتا۔ شیخ صاحب کے مزار کے بعد ان کے فرزند حضرت شیخ حسن محمد چشتی کا مزار ہے اور ان کے بعد حضرت شیخ محمد چشتی کا۔

اس کے علاوہ حضرت شیخ حسن محمد چشتی کی مسجد ہے جو

۱۔ وسط میں مانک چوک کے قریب سلطان احمد شاہ کی "جامع مسجد" بڑی عظیم الشان ہے۔ اس کے صحن کا طول ۷۰ گز اور عرض ۳۲ گز ہے۔ مسجد کی چھت ۳۵۲ ستونوں پر قائم ہے اور اس میں چھوٹے بڑے پندرہ گنبد ہیں۔ یہ جامع مسجد ۹۱۰ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔ بعض سیاح بیان کرتے ہیں کہ کسی زمانے میں اس مسجد میں ایک قرآن شریف تھا جس کا طول $4\frac{1}{2}$ فٹ اور عرض $3\frac{1}{2}$ فٹ تھا، اس کا وزن کئی من بختہ اور اس کی رحل اس قدر لانبی تھی کہ خود نوادر کا حکم رکھتی تھی۔ یہ قرآن شریف اب کسی اور جگہ منتقل ہو گیا ہے۔ (دیکھیے، "تاثرات سفر گجرات" از، سید محمود بدایونی، ۱۳۲۵ھ، ص ۶۹)

نہایت خوبصورت ہے۔ اس مسجد کے مقابل شہزادہ مراد کا مکان تھا۔ یعنی عالمگیر کے بھائی کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ اب اس مکان میں انگریزی اسکول قائم ہے۔ (ص ۷۶)

کانکریا تالاب کا اصل نام "حوض قطب" ہے۔ یہ حوض سلطان قطب شاہ نے بنوایا تھا۔ حوض تقریباً ۱۵ ہزار گز مربع ہے اگر چاروں اطراف سے پختہ سڑک پر چل کر اندازہ لگایا جائے تو تین میل کا چکر لگتا ہے۔

یہاں حضرت شاہ عالم ۔۱ مزار بھی ہے یہ حضرت سہرور دیہ طریقت کے بزرگ تھے۔ یہاں بیرونی طاقوں میں لوگ پتھر پھینک کر فال نکالتے ہیں، اگر طاق میں رہ گیا تو کام بن گیا ورنہ بری فال ہے۔ شاہان گجرات کے یہاں ان کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ مزار کے بالائی حصّے پر سیپ کی ایک راؤنڈی بنی ہے اور شتر مرغ وغیرہ کے انڈے آویزاں ہیں۔

دھلی دروازے کے باہر کیمپ کی سڑک پر اوّل حضرت بارک اللہ شاہ کا مزار ہے۔ یہ حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ تھے، ان کا چھوٹا سا مقبرہ اور مسجد ہے۔ آگے چل کر حضرت موسیٰ ۔۲

۱۔ حضرت شاہ عالم، مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پڑپوتے تھے۔ آپ کے والد کا نام حضرت برہان الدین قطب عالم ہے۔ آپ کا اسم گرامی سید محمد، کنیت ابوالبرکات: لقب سراج الدین اور شاہ عالم کے خطاب سے مشہور ہیں۔ آپ شیخ احمد کھٹو سے بہت عقیدت رکھتے تھے، آپ کے زمانے میں سہروردی سلسلہ عروج پر تھا۔ بادشاہ، امراء اور درباری آپ کے معتقدین میں سے تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے۔ "تاریخ صوفیائے گجرات" از۔ ظہورالحسن شارب، ص ۱۹۰ تا ۲۰۱)

۲۔ حضرت شاہ موسیٰ سہاگ کا نام موسیٰ تھا۔ آپ حضرت سکندر ہور

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سہاگ کی درگاہ ہے۔ ان کے سلسلے کے فقیر سہاگن خواتین کے لباس میں رہتے ہیں، اس لیے ان کی درگاہ پر چوڑیاں چڑھائی جاتی ہیں۔ روضے کے گرد قبرستان ہے اور ان قبروں پر چونے کے ساتھ چوڑیاں جمی ہوئی ہیں۔ یہ درگاہ حکومت کے قبضے میں ہے۔

یہاں سید پیر محمد شاہ کا مزار ہے۔ یہ حضرت قادری سلسلے کے فقیر تھے اور اکثر بوہروں کو مرید بنایا کرتے، چنانچہ اب بھی اس درگاہ کے سنی بوہرے مہتمم ہیں۔ درگاہ کی آمدنی سات ہزار روپے اور خرچ تین ہزار ہے۔ یہ انتظام اکیس ممبروں کی ایک کمیٹی انجام دیتی ہے اور سب ممبر بوہرہ قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ صفائی،

(صفحہ ۲۸۵ کا بقیہ حاشیہ)

کے مرید تھے۔ سدا سہاگ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ فقرا کی ایک جماعت زنانہ لباس، وضع قطع اور لب ولہجہ عورتوں کا سا رکھتی ہے۔ فقرا کی یہ جماعت سدا سہاگ کے نام مشہور ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ہندوستان میں سدا سہاگ سلسلہ آپ سے (حضرت موسیٰ سہاگ) جاری ہوا۔ آخری ایام میں احمدآباد میں تھے اور مجیڑوں کے ساتھ گانے بجاتے تھے، زنانہ لباس آخر وقت تک پہنے رہے۔ محفل سماع میں رقص کرتے تھے۔ آپ کا وصال ۱۰ رجب سنہ ۸۵۳ھ کو ہوا۔ ابتدا میں تو آپ بہت مشترع، متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے، پھر آپ نے زنانہ لباس زیب تن کیا اور چوڑیاں پہنیں، آپ گانے بجاتے اور ناچتے تھے۔ آپ چھپے ہوئے خدا رسیدہ بزرگ اور باکمال درویش تھے۔ زیادہ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ ("تاریخ صوفیائے گجرات،" ص ۳۲۵-۳۲۹)

سنھرائی میں اس درگاہ کے مقابلے کی درگاہ، احمدآباد میں نہیں ہے۔۱

"شاہ وجیہ‌الدین گجراتی کا مزار": ان بزرگ کا تعلق سلسلۂ شطاریہ سے ہے۔ انھوں نے حضرت غوث محمد گوالیاری سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ آپ کے مدرسے میں سینکڑوں لوگ عالم بنے، اس لیے آپ کو مولوی گر کہا جاتا ہے۔۲

۱۔ خطاب، پیر محمد شاہ، نام سید محمد پیر لاثانی ہیں۔ آپ غوث‌اعظم میران محی‌الدین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے دادا کا نام شاہ علاءالدین ہے اور وہ قادری، حسنی اور حسینی ہیں۔ آپ کے والد کا نام امین‌الدین تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے آبا و اجداد بغداد میں رہتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ ہندوستان آ کر آباد ہوئے۔ سلسلہ قادریہ سے منسلک ہونے کے باوجود دیگر سلسلو سے بھی شرف حاصل کیا تھا۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ وجیہ‌الدین گجراتی سے فیوضات ظاھری اور باطنی اخذ کیے۔ اپنے پیر و مرشد سے عشق تھا۔ آپ ھر کس و نا کس کو مرید نہیں کرتے تھے۔ ایک بلند پایہ عالم کے ساتھ خوش گو شاعر بھی تھے۔ فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ فارسی میں "اقدس" اور اردو میں "شہید" تخلص ہے۔ آپ کے فارسی کلام کے کئی مجموعے ہیں۔ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ آپ سے بہت سی کرامتیں ظاھر ھوئیں۔ ("تاریخ صوفیائے گجرات"، ص ۶۱۷-۸۴)

۲۔ شاہ وجیہ‌الدین شیخ شیوخ العصر تھے، امام شریعت اور مقتدائے ملت تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ علوی ہیں یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بی بی فاطمہ رضہ سے آپ کا سلسلہ ملتا ہے۔ والد کا نام حضرت شاہ نصراللہ تھا۔ آپ ۲۲ محرم سنہ ۹۱۰ھ کو پیدا ھوئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ریاست بڑودہ ، ناگر واڑہ کے حالات:

کمانی باغ میں، ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک میوزیم ہے۔ یہ باغ نہایت عالی شان اور فطری طرز کا بنا ہوا ہے۔ میوزیم کی دو منزلہ عمارت میں بہت سی دلچسپ اور مفید چیزوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ یہاں پر ایک کتب خانہ بھی ہے جس کا نام "اسلام لائبریری" ہے۔ اس کتب خانے کو ۱۔ نواب صدرالدین حسین خاں نے

(صفحہ ۲۸۷ کا بقیہ حاشیہ)

اور ولادت مشرقی گجرات کے قدیمی شہر چاپا نیر میں ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں سنہ ۱۱۷۰ھ کو احمدآباد میں اپنے والد کے ساتھ رونق افروز ہوئے۔ کئی روحانی بزرگوں کا فیوض حاصل کیا۔ حضرت غوث گوالیاری سے آپ کو خاص تعلق تھا۔ "تصوف میں آپ کی نسبت و عقیدت شیخ محمد غوث سے تھی اگرچہ مرید کسی دوسرے بزرگ کے تھے۔" (انوار صوفیا، ترجمہ اردو، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار: ص ۳۲۸) آپ کے زمانے میں مہدوی تحریک زوروں پر تھی، مہدویوں پر جب کفر کا فتویٰ لگایا گیا تو آپ سے دستخط کرنے کے لیے کہا گیا، آپ نے انکار کردیا اور بتلایا کہ جس نے کلمہ پڑھ لیا، اس کو کافر نہ کہنا چاہیے، جس مسلمان میں سو باتوں میں سے ایک بات بھی اسلام کے حکم کے مطابق ہو تو اس کو مسلمان سمجھنا چاہیے۔ ("تاریخ صوفیائے گجرات،" ص ۲۰۸-۲۲۳)

۱۔ نواب صدرالدین حسین خاں کی شخصیت، خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ آپ کو مسلمانوں کی بہبودی کا بڑا خیال تھا۔ اوہام باطلہ اور رسم و رواج کی پابندی سے جو افعال قبیحہ مسلمانوں میں مروج ہوگئے تھے، ان کے مٹانے پر آپ کی دلی توجہ مبذول

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اپنی ذاتی کوششوں سے قائم کیا ہے۔ لائبریری میں پانچ، چھے ہزار کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے، جن میں اکثر اردو کی ہیں۔ ہر علم و فن پر کتاب موجود ہے۔ لائبریری میں اردو زبان کا بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ اس لائبریری کے علاوہ کسی اور کتب خانے میں اردو زبان کی اتنی کتابیں دستیاب نہیں ہیں۔

"مسجد، محلہ محمود کی باڑی" میں ایک لاثانی قرآن شریف موجود ہے۔ اس سے پہلے خواجہ صاحب کی نظر سے ایسا قرآن شریف کبھی نہیں گذرا تھا۔ اس قرآن شریف کا طول، بقول خواجہ صاحب کے، ۹ بالشت اور ۸ انگشت ہے اور عرض، ۵ بالشت، ۵ انگشت، ہر سطر کا عرض ۶ انگشت اور ایک انگشت کے قریب چوڑے حروف ہیں۔ نصف ورق ایک تخت پر رکھے ہیں اور نصف دوسرے تخت پر، جس کا ورق پلٹنا بھی ناممکن تھا، اسی وجہ سے خواجہ صاحب، کاتب کا نام آخر میں نہ دیکھ سکے۔ پہلے یہ قرآن شریف جامع مسجد میں موجود تھا۔۱

(صفحہ ۲۸۸ کا بقیہ حاشیہ)

تھی۔ چنانچہ آپ نے اس غرض سے چند رسائل، اردو زبان میں چھپوا کر انجمنوں میں مفت تقسیم کروائے، تاکہ ان آمدنی رفاہ عام کے کاموں میں صرف ہو۔ آپ نے وسط شہر میں ایک کتب خانہ بھی قائم کیا، جس میں تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اخلاق، تاریخ اور جغرافیے کی کتب فراہم کیں۔ یہ سب کتابیں اردو زبان میں ہیں تاکہ عام لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔
(عبدالرحمان امرتسری: سیاحت ہند، ص ۱۸۶ ۔ ۹۸۷)

۱۔ ۱۵۰۴ء میں یہ قرآن شریف ایک جامع مسجد میں موجود تھا،

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

بھڑوچ میں خواجہ صاحب کو نواب محسن الملک کی وفات کی خبر ملی۔ اس ناگہانی اطلاع سے انھیں بڑا صدمہ پہنچا۔ انھوں نے سورت جانے کے لیے ٹکٹ خریدلیا تھا لیکن جب سورت پہنچے تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اسٹیشن لوٹ آئے اور بمبئی کا ٹکٹ لے لیا، کیونکہ آپ کا دل اٹھ چکا تھا۔ بمبئی تک سکون کے ساتھ سفر گذرا، لیکن نواب مرحوم کے خیال نے انھیں بے چین رکھا۔

بمبئی واپس پہنچنے پر، انھوں نے ٹاؤن ہال لائبریری دیکھی، تاج محل ہوٹل گئے، اپالو مندر دیکھا۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی کا کتب خانہ بھی دیکھا۔ سبز محل میں آغاحشر سے ملے اور جگن ناتھ ایکٹر سے ملاقات کی اور سید امیرشاہ کے ہمراہ حضرت حاجی علی صاحب کی درگاہ ار گئے۔

۵ نومبر ۱۹۰۷ء، دوشنبہ کو خواجہ صاحب نے بمبئی کو الوداع کہا اور دھلی کے لیے روانہ ہوگئے۔ اس طرح ان کے اس سفر کا اختتام ہوا۔

(صفحہ ۱۸۹ کا بقیہ حاشیہ)

جس کی حالت مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے خراب ہو گئی تھی۔ بعد میں یہ قرآن شریف "محمود کی باڑی" میں رکھا گیا۔ اس کا طول ۶ فٹ اور عرض ۳ فٹ ہے۔ متن میں فارسی ترجمہ اور حاشیہ پر تفسیر حسینی چڑھی ہوئی ہے، اس کا وزن کئی من بختہ اور اس کی رحل اس قدر لمبی چوڑی ہے کہ بجائے خود نوادر کا حکم رکھتی ہے۔ اس قرآن شریف کا ذکر تاثرات سفر گجرات" میں سید محمود یداللہی نے بھی کیا ہے۔ صفحہ نمبر ۲۹ ہے۔ غالباً یہ قرآن شریف اب کسی اور جگہ منتقل ہو گیا ہے۔ (عبدالرحمان امرتسری: سیاحت ہند، ص ۱۸۳)

(۳)

تجزیہ :

خواجہ صاحب کا یہ سفر نامہ ایک معلوماتی سفر نامہ ہے۔ ان معلومات کا دائرہ تنقیدی نوعیت کا ہے۔ اس سفرنامے کا ایک نمایاں حصہ" مدرسے ، کتب خانے، میوزیم، تعلیمی اور پبلک ادارے اور بزرگان دین کے مقابر ہیں جن کی زیارت کا شرف خواجہ صاحب کو حاصل ہوا، مرحومین کے کارنامے ، قابل ذکر باغات اور ریاست جرنا گڑھ کے تاریخ مقامات جن کی اہمیت تاریخی شہادت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ یہ معلوماتی حصہ" اس سفرنامے کی اہم کڑی ہے۔

سفرنامے کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نے اپنی عصر شخصیتوں سے مل کر جا بجا دینی اور سماجی کاموں کے طریقوں کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں اور بعض جگہ ان نیک کاموں میں خود بھی شامل رہے ہیں۔

مصنّف جہاں جہاں گئے ہیں اُس مقام اور وہاں کی شخصیات سے متعلق،قیمتی معلومات بھی قلمبند کرتے ہیں۔ اس سے ان کی علمی جامعیت کا بھی پتا چلتا ہے۔

" روزنامچۂ ہندوستان " میں مصنّف نے بمبئی، گجرات ، جونا گڑھ ، ماروا ڑ ، مانگرول اور احمدآباد وغیرہ کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ اس روزنامچے میں بعض اوقات انھوں نے چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً ، مضامین بھیجنا، خطوط لکھنا وغیرہ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سفر کے دوران بھی وہ ادبی اور علمی کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اہم قیمتی معلومات بھی یکجا کی ہیں۔ مثلاً دینی اور علمی شخصیات سے ملاقات اور بعض موضوعات پر مباحثہ و مباحثہ سےعلم

میں اضافہ ہوتا ہے۔ آثار قدیم کے بارے میں معلومات اور ان سے متعلق بعض روایات کا ذکر، مثال کے طور پر "سومنات مندر" کے واقعات حالات۔

خواجہ صاحب نے معلومات کے ساتھ ساتھ اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے، چنانچہ اس ذیل میں متعدد ایسے لوگوں کے بارے میں بھی ان رائے ملتی ہے جو بعد کو مشاہیر میں شمار ہوئے۔ ان میں محمد علی آکسن، اس وقت نہ ایک مشہور لیڈر بنے تھے، نہ اخبار نویس اور نہ مولانا۔

اظہار رائے کے ذیل میں ان کی ناقدانہ آرا بھی ملتی ہیں جیسا کہ آغا حشر کے ڈراموں کے بیان میں وہ جگہ جگہ رقمطراز ہیں۔ علاوہ ازیں، چشم دید مقامات کی تمدنی زندگی کے بارے میں بھی دلچسپ معلومات مہیا کی گئی ہیں۔ بمبئی، جوناگڑھ، مانگرول، بڑودہ اور احمدآباد وغیرہ کے میلوں، ٹھیلوں کا آنکھوں دیکھا حال اور لوگوں کی دلچسپ معاشرتی زندگی کا ذکر بھی ہے۔

مقابر پر عقیدت مندوں کے جانے کا حال اور مزارات سے ان کی عقیدت مندی اور وابستگی، یہ سب ایسی معلومات ہیں جو سفرنامے کے زمانے کی تمدنی زندگی پر بخوبی روشنی ڈالتی ہیں۔

خواجہ حسن نظامی کوئی ایسے زاہد خشک بھی نہ تھے جو دنیا کے دلچسپ اور خوبصورت مناظر کو دیکھ کر آنکھیں موند لیتے۔ بلکہ انھوں نے کھلی آنکھوں سے اس بھری پڑی دنیا کو دیکھا اور جو چیزیں ان کے مشاہدے میں آتی گئیں ان کو عارفانہ رنگ میں پیش کرتے چلے گئے۔ چنانچہ جیسا کہ ان کا عام قاعدہ ہے وہ معمولی معمولی مشاہدے میں آنے والی باتوں سے بڑے نکتے نکال کر پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کا یہ سفرنامہ، ان کی شخصیت کا عمدہ طور پر آئینہ دار ہے۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سفر نامہ صرف معلوماتی سفر نامہ ہی نہیں، خواجہ حسن نظامی کی بصیرت افروز باتوں کا خزانہ بھی ہے۔ یہ سفرنامہ ان کی زندگی میں اس عمر کی سوچ کا عکاس ہے، جب وہ ابھی صاحب تصانیف کثیرہ نہیں بنے تھے لیکن ان کی سوچ، فکر، طبیعت اور تحریر میں پختگی آ چکی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ان کا منفرد اسلوب، سفرنامے کو قارئین کے لیے دلچسپ بناتا ہے۔

اس سفرنامے کے امتیازات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ خواجہ صاحب کی چوتھی تصنیف تھی اور پہلا سفرنامہ۔ یہ سفرنامہ ۱۹۱۲ء کے اوائل میں شایع ہوا تھا۔ جس کا ذکر انھوں نے اپنی "آپ بیتی" کے صفحہ نمبر ۸۵-۸۶ پر کیا ہے۔

مختصر یہ کہ خواجہ صاحب کا یہ سفرنامے جہاں قاری کے لیے دلچسپ تاریخی معلومات بہم پہنچاتا ہے، وہاں خواجہ صاحب کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ مزارات سے ان کی عقیدت مندی اور تصوّف کی طرف رجحان ظاہر ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ دنیا دار بھی تھے۔ اس سفر کے بعد انھوں نے کئی اور سفر بھی کیے، لیکن ہوش سنبھالنے کے بعد ان کا پہلا سفر یہی تھا اور زمانے کے لحاظ سے اپنے سفرنامے میں انھوں نے پوری معلومات یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ادب کے قاری اپنی معلومات میں اضافے کے لیے اس سفرنامے سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

کتابیات

۱۔ احمد منزوی: "فہرست مشترک نسخہ ہای خطّی فارسی پاکستان"، جلد سوم، اسلام‌آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، سنہ ندارد۔

۲ - امام مرتضیٰ نقوی، ڈاکٹر : "خواجہ حسن نظامی، حیات اور ادبی کارنامے"، بارا ٹول، لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، ۱۹۷۸ء۔

۳ - خواجہ نظامی: "آپ بیتی"، بار دوم، دھلی، حلقۂ مشایخ بک ڈپو، ۱۹۲۲ء۔

۴ - خواجہ حسن نظامی: "سفرنامۂ ہندوستان، بابت ۱۹۰۷ء"، بار دوم، دھلی، حلقۃ المشائخ، ۱۹۱۹ء۔

۵ - رشید احمد صدیقی: "گنجہائے گرانمایہ"، راولپنڈی، فرینڈز پبلشرز، ۱۹۸۰ء۔

۶ - سر سید احمد خاں: "مسافرانِ لندن"، مرتبہ، شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۲ء۔

۷ - شاغل عثمانی، مولوی احترام الدین احمد : "صحیفۂ خوش نویساں"، علی گڑھ، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۲۳ء۔

۸ - صبیح انور، ڈاکٹر: "اردو میں خود نوشت سوانح حیات"، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء۔

۹ - ظہورالحسن شارب، ڈاکٹر: "تاریخ صوفیائے گجرات"، احمدآباد (گجرات) جمیل اکیڈمی، جنوری ۱۹۸۱ء۔

۱۰ - عبدالرحمان امرتسری: "سیاحت ہند"، امرتسر، وکیل ٹریڈنگ کمپنی ۱۹۰۹ء۔

۱۱ - فیاض محمود، سید (مدیر خصوصی): "تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند"، دسویں جلد، حصہ پنجم، (اردو ادب) لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء۔

۱۲ - محمود بد اللہی، سید : "تاثرات سفر گجرات"، سنہ ۱۳۶۵ھ۔

۱۳ - مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر: "اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ"، اسلام‌آباد مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء۔

۱۴ - ملّا واحدی: "سوانح عمری خواجہ حسن نظامی"، کراچی، گلڈ انجمن کتاب گھر، ۱۹۵۷ء۔

رسالہ

رسالہ "نقوش"، لاہور، مرتبہ محمد طفیل، عصری ادب نمبر، شمارہ ۱۲۹، ۱۹۸۵ء۔ (مضمون بعنوان "سفرنامے کی فنّی بحث" تحریر کردہ ڈاکٹر انور سدید)۔